OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN: 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 100-118

چشتیہ مکتبہ فکر اوراجداد مودودی

Chistia's School of Thought and Ancestors of Madoodi

Dr. Sufia Farzana

Assistant Professor

Department of Islamic History Jamia Karachi, Karachi.

Abstract

Maulana Maududi is one of the most learned scholars of Twentieth century. His thought impressed not only Muslims but also non-Muslims and developed understanding about Islam. The personality of Maulana was multy dimentional. His educational and social work has been examined by many scholars from all aspects. The work on historical background of the family of Maulana scattered in various history books. His ancestors laid foundation of Chishti School of Thought in India. Its purpose was reformation of all Indians, whether Muslims or non-Muslims. The following article reviews the work, thought and training of the saints and elders of chishti mystic order for promotion of Islam in India.

Keywords: Maulana Maududi, Multy dimentional, Ancestors, Chishti School of Thought, India,Saints

سید مودودی کو یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ ان کا تعلق خاندان رسول ﷺ سے ہے۔ آپ کے شجرہ نسب کے مطابق اکتالیسویں پشت پر آپ کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔(۱)

مولانا مودودی نے اپنی خود نوشت میں اپنے خاندان کا جو تعارف پیش کیا ہے اس میں وہ ذکر کرتے ہوئے ہیں:

> "میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس میں تیرہ سو برس تک سلسلہ ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی جاری رہا ہے۔ سادات اہلِ بیت کی ایک شاخ تیسری صدی ہجری میں "ہرات" کے قریب ایک مقام پر آباد ہوئی تھی جو چشت کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہے۔"(۲)

بر صغیر کی روحانی تاریخ میں جن لوگوں نے کم و بیش ایک صدی تک امتیازی حیثیت حاصل کی وہ زیادہ تر تصوف کے چشتی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے چشت خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ وہاں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔(۳) شجرۃالانوار میں لکھا ہے:

> "(چشت نام کے) دو مقام ہیں ایک شہر خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔ دوسرا چشت ہندوستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے۔خواجگان چشت، خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۴)

اس روحانی سلسلے کے بانی کے بارے میں اتفاق رائے موجود نہیں بعض تاریخ نگاروں کے نزدیک یہ اعزاز خواجہ احمد ابدال چشتی کو حاصل ہے (ولادت ۲۶۰۔وفات ۳۵۵) جو شیخ ابو اسحق شامی کے مرید تھے۔(۵) خلیق احمد نظامی کے مطابق حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی (المتوفی ۹۴۰ئ) پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرامی کے ساتھ

تذکروں میں چشت لکھا ہوا ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے حضرت خواجہ ابو اسحق شام کے رہنے والے تھے اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے زمانے کے مرتاض بزرگ تھے، اپنی پہلی ملاقات میں خواجہ ممشاد نے ابو اسحٰق سے فرمایا:

> ”آج سے لوگ تجھے ابو اسحق چشتی کہہ کر پکاریں گے، اور چشت اور اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے، اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گا اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔“(۶)

اس کے بعد خواجہ دینوری نے ان کو تذکیر و ارشاد حق کے لئے چشت روانہ کردیا، جہاں ان کی پر خلوص جدو جہد سے ایک عظیم الشان سلسلہ کی داغ بیل پڑی اور چشت نے بہت جلد نامور روحانی مرکز کی حیثیت اختیار کرلی۔(۷)

خواجہ ابو احمد ابدال چشتی:

سید مودودی نے اپنی خود نوشت میں واضح کہا ہے کہ چشتیہ خاندان کے نامور بزرگ ابو احمد ابدال چشتی، حضرت مثنیٰ بن حضرت حسین کی اولاد سے تھے، انہی سے صوفیہ کا مشہور سلسلہ چشتیہ جاری ہوا ہے۔(۸) قدوۃ الدین آپ کا لقب تھا۔ ۲۶۰ھ میں خلیفہ عباسی معتصم باللہ کے عہد میں سلطان فرسنافہ کے ہاں چشت میں آپ کی پیدائش ہوئی، ظاہری حسن و جمال میں بھی بے نظیر تھے، چہرہ منور اس قدر چمکدار تھا کہ اگر یہ کہا جائے کہ اندھیرے میں روشنی پیدا کردیتا تھا تو مبالغہ نہیں۔ سات سال کی عمر سے آپ نے خواجہ ابو اسحق کی خدمت میں حاضری شروع کردی تھی، اور علوم ظاہر یہ و باطنیہ دونوں حضرت خواجہ سے حاصل کرنے شروع کردیے تھے۔ ۱۶ سال کی عمرمیں علوم ظاہریہ سے فارغ ہو کر شیخ ہی سے بیعت ہوگئے تھے۔(۹)

روایت ہے کہ ایک دن خواجہ ابو احمد جب بیس سال کے تھے اپنے والد سلطان فرسنافہ کے ہمراہ شکار کے ارادے سے پہاڑ کی طرف گئے اثنائے سفر میں کہیں

تنہا رہ گئے، والد سے بچھڑ گئے ایک پہاڑ پر پہنچے جہاں چالیس رجال الغیب ایک پتھر پر کھڑے تھے۔ شیخ ابو اسحق شامی (چشتی) بھی اس جماعت میں موجود تھے، یہ دیکھ کر ان کو بڑا تعجب ہوا، گھوڑے سے اترے اور شیخ ابو اسحق کے قدموں پر گر پڑے، گھوڑا، ہتھیار جو کچھ ساتھ تھا سب وہیں چھوڑ دیا۔ پشمینہ پہن لیا، ان کے ساتھ روانہ ہوگئے، ہر چند کہ ان کے والد اور دوسرے لوگوں نے تلاش کیا کہیں نہ ملے، کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ آپ شیخ ابو اسحق کے پاس ہیں اور فلاں جگہ موجود ہیں، باپ نے کچھ آدمیوں کو لانے کے لئے بھیجا، ہر چند سمجھایا، آپ واپس نہ آئے اور کوئی بھی نصیحت کار آمد نہ ہوئی کہتے ہیں آپ کے باپ کا ایک شراب خانہ تھا، ایک دن موقع پا کر اندر پہنچ گئے اور تمام گھڑوں کو توڑنا شروع کیا۔ باپ کو معلوم ہوا غصہ میں چھت پر چڑھے اور ایک بڑا پتھر اٹھایا اور چاہا کہ سوراخ میں سے پتھر ان کو ماریں، سوراخ نے پتھر کو کو پکڑ لیا۔(۱۰) یا یوں کہیے کہ ہوا نے پتھر کو روک لیا اور وہ معلق ہوگیا، آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔(۱۱) یہ قصہ دیکھ کر باپ کو سخت حیرت ہوئی اور بیٹے کے ہاتھ پر شراب سے توبہ کرلی۔(۱۲)

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے کہ اتفاقاً کسی ایسی جگہ سے گزرہوا جہاں محض کفار کی آبادی تھی اور مسلمان کوئی قرب و جوار میں بھی نہ تھا، ان کی عادت تھی کہ جب کوئی مسلمان ادھر کو جاتا اس کومار پیٹ کر آگ میں جلا دیا کرتے، اسی طرح شیخ کے ساتھ بھی معاملہ کیا مگر رعب کی وجہ سے آگ میں ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی، شیخ نے کہا تم فکر نہ کرو میں خود ہی آگ میں گر جاؤں گا، یہ کہہ کر حضرت شیخ اپنامصلیٰ آگ پر ڈال کر خود چلے گئے، حضرت کا وہاں پہنچنا تھا کہ آگ دفعتاً ٹھنڈی ہوگئی، یہ قصہ دیکھ کر سب متحیر ہوگئے اوراس قدر عظمت و وقعت شیخ کی ہوئی کہ دل و جان سے قربان ہونے لگے اور سینکڑوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔(۱۳)

آپ کی عادت ایک قرآن دن میں اور دو قرآن شب میں ختم کرنے کی تھی۔ آپ صاحب الاسرار تھے لیکن سر ظاہر نہیں فرماتے تھے، کہتے ہیں آپ با اتفاق اہل زمانہ قطب ابدال تھے۔ نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ اچھے لباس اور اچھے کھانے

سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ کی وفات ۳ جمادی الآخر ۳۵۵ھ میں ہوئی۔ چشت میں آپ کا مزار ہے۔(۱۴)

خواجہ محمد چشتیؒ:

برصغیر میں جس بزرگ نے چشتی سلسلہ کی داغ بیل ڈالی وہ خواجہ محمد چشتی تھے، جو خواجہ ابو احمد ابدال کے لڑکے اور مرید تھے۔ علوم دینیہ کے مالک تھے، زہد و عبادت میں کامل تھے۔ کہتے ہیں کہ بحکم الٰہی ستر(۷۰) سال کی عمر میں محمود غزنوی (۹۷۱ء۔۱۰۳۰ء) کی مدد کے لئے اس کے ہمراہ سومنات پر حملے کے لئے گئے تھے۔ آپ کی برکتِ قدوم سے سومنات فتح ہوا آپ کی وفات ۴۱۱ھ کو ہوئی، آپ کا مزار بھی چشت میں ہے۔(۱۵) مولانا جامی لکھتے ہیں:

> "خواجہ محمد اپنے باپ کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام ہوئے، اس وقت چوبیس (۲۴) سال سے زیادہ ان کی عمر نہ تھی، امور دینی اور معارف یقینی کو حاصل کیا، بڑے زاہد متقی تھے، دنیا اور دنیا داروں سے بچتے تھے، ہمیشہ زہد اور ترک دنیا سے رغبت دلایا کرتے تھے، کہا کرتے تھے :جب ہمارا اوّل و آخر دنیا کا ترک ہے تو اپنے آپ کو اس دھوکہ اور غرور سے بچانا چاہیے۔ ایک دفعہ سلطان محمود سبکتگین سو منات کی لڑائی کے لئے گیا ہوا تھا، خواجہ کو خواب میں دکھائی دیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیے، ستر (۷۰) سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ جہاد کیا۔"(۱۶)

سید مودودی کی یاداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ ابو محمد چشتی محمود غزنوی کے ہمعصر تھے اور ہندوستان کے جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ محمود آپ کا مرید بھی تھا۔ آپ نے ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔(۱۷)

خواجہ ابو یوسف:

خواجہ محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و تقویٰ کے وارث خواجہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے جو آپ کے خلیفہ اور بھانجے تھے، آپ کا لقب ناصر الدین تھا۔(۱۸) خواجہ ابو یوسف چشتی اپنی والدہ کی طرف سے حسنی تھے۔اور سلسلہ نسب حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن تک پہنچتا تھا اور والد کی طرف سے بواسطہ امام علی نقی امام حسین تک پہنچتا تھا۔ ۴۵۹ ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(۱۹) روایت ہے کہ خواجہ محمد کی ہمشیرہ جن کی عمر تقریباً چالیس سال تھی بھائی کی خدمت کی وجہ سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں، ہر وقت عبادت اور اطاعت الہٰی میں مشغول رہتی تھیں۔ایک رات خواجہ محمد نے خواجہ احمد کو خواب میں دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ ولایت شام میں ایک شخص محمد سمعان نامی ہے، جو عالم با عمل اور پر ہیز گار ہے، اپنی ہمشیرہ کا ان سے عقد کردو، خواجہ نے ان کو بلوا کر اپنی ہمشیرہ کا ان سے عقد کردیا، خواجہ ابو یوسف چشت میں ان سے پیدا ہوئے۔(۲۰) خواجہ محمد ۶۵ سال کے بعد عیالدار ہوئے تھے، لیکن کوئی لڑکا بزرگ نہ ہوا تھا۔خواجہ یوسف کو بمنزلہ فرزند کے پرورش کرتے تھے، علم اور راہ خدا کے سلوک کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ان کی وفات کے بعد وہی ان کے قائم مقام ہوئے۔(۲۱) آپ طریقت کا جمال اور حقیقت کا کمال تھے، آپ کی کرامتیں کھلی ہوئی اور آپ کی ولایت کی واضح دلیلیں ہیں۔

منقول ہے:

> ”ایک مرتبہ خواجہ ابو یوسف چشتی راستے سے گزر رہے تھے دیکھا کہ ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، چھت ڈالنے کے لئے ایک شہتیر چھت پر لے جایا جارہا ہے، لیکن وہ شہتیر عمارت سے چھوٹا تھا، لوگ پریشان تھے کہ اب کیا کریں، عین اس موقع پر خواجہ ابو یوسف وہاں پہنچ گئے، لوگوں نے آپ کو تمام صورتحال بتائی، جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ گھوڑے سے اترے، اور مسجد کی دیوار پر چڑھے اور لکڑی کا ایک سرا اپنے دست مبارک میں لیا، اور

کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جب اس شہتیر کو عمارت پر لائے تو وہ اس جانب سے جدھر سے خواجہ نے اپنے دست مبارک سے پکڑ رکھا تھا (خدا کی قدرت سے) ایک گز بڑھ گیا یہاں تک کہ وہ خواجہ صاحب کی کرامت سے مسجد کی عمارت سے ایک گز باہر نکل گیا آج بھی یہ شہتیر موجود ہے۔"(۲۲)

آپ کی وفات ۴۵۹ھ میں ہوئی آپ کی عمر ۸۴ سال کی تھی(۲۳) جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ قطب الدین مودود کو تحصیل علم کی وصیت کی اور اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔(۲۴)

آپ کی وفات خلیفہ ابو جعفر قائم بن قادر باللہ عباسی کے عہد حکومت میں ہوئی یہ خلیفہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا ہمعصر تھا، جس نے سلطان مسعود بن محمود غزنوی سے ملک خراسان فتح کیا تھا، بغداد میں بھی اسی کے نم کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، خواجہ ا بو یوسف کی وفات کے وقت سلطان الب ارسلان خراسان کے تخت پر متمکن تھا۔(۲۵)

خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ:

خواجہ ابو یوسف کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کے صاحبزادے خواجہ مودود چشتی ان کے جانشین نامزد ہوئے مولانا مودودی اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

"خواجہ مودود چشتی تمام سلاسل چشتیہ کے شیخ الشیوخ اور خاندان مودودیہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔"(۲۶)

قطب الاقطاب اور قطب الدین آپ کا لقب تھا۔ شمع صوفیان و چراغ چشتیان وغیرہ خطابات سے مخاطب کیے جاتے تھے۔(۲۷) آپ بڑے عظیم الشان اور عالی مقام بزرگ ہوئے ہیں، تمام مشائخ زمانہ آپ کے ظاہری و باطنی علم کے کمالات کو مانتے تھے،

آپ مریدین کی تربیت میں بے نظیر تھے۔(۲۸) آپ نے ساتھ سال کی عمر میں تمام قرآن کو ترجمے کے ساتھ حفظ کرلیا تھا(۲۹) سولہ سال کی عمر میں تحصیل علوم ظاہریہ فرماچکے تھے۔ بعض اہل تاریخ کی رائے یہ ہے کہ تکمیل علوم ظاہری مشیخت کے بعد بمشورہ شیخ احمد فرمائی ہے۔(۳۰) حضرت خواجہ مودود نے ۲ کتابیں "منہاج العارفین" اور "خلاصۃ الشریعت" تصنیف فرمائیں جو اب ناپید ہیں۔(۳۱)

خواجہ مودود کو حضرت شیخ احمد جامی کی صحبت اور تربیت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ جس وقت شیخ احمد، جام سے ولایت ہرات میں تشریف لائے لوگ ان کے کمالات اور کرامات دیکھ کر مرید اور معتقد ہوگئے اور اس کی بہت شہرت ہوئی۔(۳۲) جب وہاں سے شیخ جامی مزارات کی زیارت کے لئے چشت کی طرف متوجہ ہوئے اور یہاں خواجہ مودود چشتی کے ساتھ جو معاملات پیش آئے نفحات الانس میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔(۳۳) مختصراً یہ کہ شیخ جام اس بات پر مامور تھے کہ خواجہ مودود چشتی کو نعمت دیں، خواجہ مودود بھی پہلے توکسی اور طرف رجوع کررہے تھے لیکن بعد میں اس بات کو سمجھ گئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں آکر معافی مانگی۔ آپ نے معاف کردیا اور فرمایا کہ دو خدمتگاروں کو اپنے پاس رکھ کرباقی لوگوں کو رخصت کردیں، اور تین دن یہاں قیام کریں، خواجہ صاحب نے اسی طرح کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ اب فرمایئے کیا فرمان ہے۔ شیخ نے کہا پہلے مصلیٰ طاق پر رکھ دو اور علم حاصل کرو، انھوں نے کہا میں نے قبول کیا (کیونکہ خواجہ مودود کے والد نے بھی یہی وصیت کی تھی) اور کیا فرمان ہے شیخ نے فرمایا، علم سے فارغ ہو کر اپنے خاندان کو زندہ کرو کیونکہ تمہارے آبا و اجداد بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ خواجہ مودود نے کہا جب آپ مجھے احیائے خاندان کا حکم دے رہے ہیں تو آپ خود تبرکاً اس کام کا آغاز فرمادیں، حضرت شیخ نے فرمایا! آگے آؤ، ان کا ہاتھ پکڑا اور مصلیٰ پر بٹھایا اور تین بار کہا "بشرط علم" اس کے بعد خواجہ دو تین دن حضرت شیخ کی خدمت میں رہے اور بہت سے فوائد اور نعمتیں حاصل کیں۔ تھوڑے عرصہ بعد بلخ وبخارا جاکر علم حاصل کیا اور چار سال کے عرصے

میں آپ تمام ظاہری و باطنی علوم میں بقدر وسعت و امکان کامل و مکمل ہوگئے اور ہر طرف سے طالبان راہ حق جمع ہوئے اور بلند مقامات حاصل کرنے لگے۔(۳۴)

خواجہ سنجان، جن کا اصل نام رکن الدین محمود ہے، خواجہ مودود کی صحبت کاشرف حاصل کیا اور چند دنوں چشت میں اقامت گزین ہوئے، کہا جاتا ہے کہ مدت اقامت میں کبھی بھی چشت میں بے وضونہیں رہے جب چاہتے کہ طہارت کریں سوار ہوتے اور چشت سے باہر جاتے، طہارت کرتے اور لوٹ آتے کہتے تھے کہ مزار چشت مبارک منزل اور متبرک مقام ہے جائز نہیں کہ وہاں بے ادبی کریں، کہتے ہیں پہلے ان کو خواجہ سنجان کہا جاتا تھا، خواجہ مودود نے ان کو شاہ سنجان کا لقب دیا تھا وہ ہمیشہ اس پر فخر کیا کرتے تھے۔(۳۵)

خواجہ مودود کو کشف قلوب اور کشف قبور بھی حاصل تھا۔(۳۶) منقول ہے کہ بدخشاں کا ایک بزرگ زادہ خواجہ کی خدمت میں آیا اور مریدہونے کے بعد اس نے خواجہ سے درخواست کی کہ اسے تبرک عطا کیا جائے، خواجہ نے نور باطن سے معلوم کرلیا تھا کہ ابھی اس کے گناہوں کی فہرست میں دنیا سے لگاؤ باقی ہے۔اس لیے آپ نے اس کی درخواست قبول نہیں کی یہاں تک کہ وہ بہت سے بزرگوں کی سفارش لے آیا، خواجہ نے اس کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی اور ہدایت کی کہ اس ٹوپی کے آداب پوری طرح بجا لانا ورنہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔جب یہ بزرگ زادہ ٹوپی لے کر بدخشاں پہنچا اور وہاں آنے کے بعد دنیا اور خواہشات نفس میں مبتلا ہوگیا تو یہ خبر خواجہ مودود کو ملی آپ نے فرمایا کیا بات ہے ٹوپی نے ابھی تک کام نہیں کیا لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسے کسی الزام میں گرفتار کرلیا گیا اور اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔(۳۷)

خواجہ مودود کی وفات ۵۲۷ھ میں ہوئی(۳۸) یہ سلطان فخر الدین سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کا عہد حکومت تھا آپ کا مدفن چشت میں ہے(۳۹) سیر الاولیاء میں ہے کہ آپ کی نماز جنازہ پہلے مردان غیب نے پڑھی اس کے بعد خلق خدا نے جنازہ پڑھا پھر خدا

کے حکم سے جنازہ ہوا وپر لے جایا گیا اور لوگ جنازے کے پیچھے پیچھے چلے یہاں تک کہ اس جگہ پہنچے جو آپ نے اپنی قبر کے لیے پسند کی تھی، جب آپ کی یہ کرامت دیکھی گئی تو کئی ہزار کافر مسلمان ہوگئے۔(۴۰)

خواجہ موصوف کے خلفا کی تعداد دس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔(۴۱) برصغیر میں اس روحانی سلسلے کا باقاعدہ آغاز خواجہ معین الدین چشتی سے ہوا جو خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے اور انہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا خواجہ ہارونی سے ہی آپ کا سلسلہ خواجہ مودود چشتی پر منتہی ہوتا ہے۔(۴۲) مودودی صاحب کے مطابق:

> "خواجہ معین الدین اجمیری کے شیخ حضرت عثمان ہَرَونی تھے ان کے شیخ جامی شریف زندنی اور ان کے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین مودود تھے۔"(۴۳)

عام روایت کے مطابق خواجہ معین الدین چشتی پر تھوی راج کے زمانے میں بر صغیر آئے تھے۔(۴۴)

سر زمین بلوچستان بھی خواجہ مودود کے اثرات سے فیضیاب رہی، تذکرہ صوفیائے بلوچستان میں ہے کہ با صفا ہستیوں کے روحانی اثرات جہاں برصغیر کے کونے کونے میں پہنچے وہاں بلوچستان کس طرح محروم رہ سکتا تھا، بعض بزرگ خود اس صوبے میں آئے اور عقیدت مندوں کو صفائے باطن سے بہرہ ور کیا اور واپس چلے گئے بعض اس صوبے میں نہیں آئے مگر ان کی تعلیمات یہاں پہنچیں بعض کے مریدوں نے یہاں رہائش اختیار کر کے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔(۴۵) پیر کبار عطا اللہ المعروف آتو جو افغان قوم سے تھے چشت جا کر مودود چشتی کے مرید ہوئے چالیس برس تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے وفات سے قبل حضرت خواجہ مودود نے آپ کو خرقہ خلافت سے ممتاز فرما کر وطن کی طرف رخصت کیا(۴۶) اہل بلوچستان حضرت سلطان سخی سرور کے فیوض سے بھی بہرہ یاب ہوئے ہیں۔ سلطان سخی سرور نے علوم ظاہری کی تکمیل

مولوی محمد اسحق لاہوری سے کی، تصوف میں اپنے والد سے مستفیض ہوئے اور خواجہ مودود چشتی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔(۴۷)

اپنے نسب سے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں:

"خاندان مودودیہ کی جس شاخ سے میرا تعلق ہے اس کے سب سے پہلے بزرگ جو ہندوستان آئے ان کا اسمِ گرامی خواجہ مودود ثانی تھا جو ۶ واسطوں سے حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی کی اولاد میں تھے۔ ان کے بیٹے حضرت خواجہ علی نے پانی پت کے قریب موضع سرنامی میں قیام کیا۔ ان کے بیٹے حضرت شاہ خواجگی پھر چشت واپس تشریف لے گئے۔ وہاں شاہ خراسان نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی جن کے بطن سے ۸۶۹ھ میں حضرت ابوالاعلیٰ مودودی پیدا ہوئے۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد حضرت ابوالاعلیٰ مودودی ہندوستان تشریف لائے۔ یہ سکندر لودھی کا زمانہ تھا اور سکندر اس زمانے میں راجہ نرور سے جنگ میں مشغول تھا۔ آپ اس لڑائی میں شریک ہوئے اور آپ ہی کے تیر سے راجہ مارا گیا۔ اس پر سکندر لودھی نے قصبہ براس مع ۱۲ گاؤں آپ کی جاگیر میں دیا۔ ۹۳۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔"(۴۸)

تصوف کا یہ سلسلہ مودودی صاحب کے والد سید احمد حسن تک جاری رہا جو مدرسہ علی گڑھ کے اوّلین طلباء میں سے تھے لہٰذا قدرتی طور پر سرسید کی تحریک سے متاثر تھے، لیکن مودودی صاحب کے دادا کو بیٹے کا علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنا سخت ناگوار تھا لیکن سرسید کے ساتھ سسرالی رشتے کے باعث خاموش تھے۔ لیکن بہت جلد انہوں نے بیٹے کو علی گڑھ سے واپس بلا لیا لہٰذا احمد حسن نے الہٰ آباد سے وکالت کی تعلیم مکمل کی۔

۱۹۰۰ء میں سید احمد حسن نے خاندان کے ایک بزرگ(جو رشتے میں ان کے چچا تھے)محی الدین کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ذکروشغل،ریاضات ومجاہدات اور سلوک ومراقبہ میں مشغول ہوگئے۔(۴۹) ۱۹۰۴ء تک ان کی روحانیت،رہبانیت میں تبدیل ہوگئی اوروکالت کاپیشہ بری طرح متاثرہونے لگا(۵۰)اب مقدمات لیتے وقت پہلے موکل سے متعلق تحقیق کرتے پھرمقدمہ لیتے نتیجتاً اہل معاملہ کاان سے رجوع کرناکم ہوتاتھا اورمالی مشکلات بڑھتی چلی گئیں لیکن ان کا مذہبی رنگ اورگہرا ہوتا چلاگیا اورایسی انقلابی تبدیلی آئی کہ یہ گمان ہی مشکل ہوگیا کہ کبھی انھیں انگریزی تعلیم اور تہذیب کی ہوابھی لگی تھی۔۱۹۱۶ء میں ان پرفالج کاحملہ ہواجس کے باعث ۱۹۲۰ء میں ان کاانتقال ہوگیا۔(۵۱)جبکہ مودودی صاحب تصوف کے اسی رنگ سے بہت دور ہے۔

علم تصوف اور تاریخ اسلام میں صوفیا کے کردار کے بارے میں مودودی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار مختلف مواقع اور اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ لہٰذا صوفیوں کے ایک طبقہ کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔تصوف کے ضمن میں مودودی صاحب تحریر کرتے ہیں:

> "تصوف کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے بلکہ مختلف چیزیں اس نام سے موسوم ہوگئی ہیں۔جس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں وہ اور چیز ہے،جس تصوف کی ہم تردید کرتے ہیں وہ ایک دوسری چیز اور جس تصوف کی ہم اصلاح چاہتے ہیں وہ ایک تیسری چیز ہے۔"(۵۲)

ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے صوفیاء میں پایا جاتا تھا۔مثلاً فضل بن عیاض، ابراہیم ادھم، معروف کرخی وغیرہ۔اس کا کوئی الگ فلسفہ نہ تھا، اس کا کوئی الگ طریقہ نہ تھا، وہی افکار اور وہی اشغال و اعمال تھے جو کتاب و سنت سے ماخوذ تھے اور ان سب کا وہی مقصود تھا جو اسلام کا مقصود ہے۔یعنی اخلاص للہ اور توجہ الی اللہ اس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور صرف تصدیق ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو زندہ اور شائع کرنا چاہتے ہیں۔(۵۳)

دوسرا تصوف وہ ہے جس میں اشراقی اوررواقی، زرتشتی اور ویدانتی فلسفوں کی آمیزش ہوگئی ہے، جس میں عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کے طریقے شامل ہوگئے ہیں، جس میں مشرکانہ تخیلات و اعمال خلط ملط ہوگئے ہیں۔ جس میں شریعت و طریقت اور معرفت الگ الگ چیز ہیں۔ ایک دوسرے سے کم و بیش بے تعلق،بلکہ بسا اوقات باہم متضاد بن گئی ہیں۔ جس میں انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض کے فرائض کی انجام دہی کے لیے تیار کرنے کے بجائے اس سے بالکل مختلف دوسرے ہی کاموں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔اس تصوف کی ہم تردید کرتے ہیں۔(۵۴)

ان دونوں کے علاوہ ایک اور تصوف ہے جس میں کچھ خصوصیات پہلی قسم کے تصوف کی اور کچھ خصوصیات دوسری قسم کے تصوف کی ملی جلی پائی جاتی ہیں۔اس تیسری قسم کے تصوف کی نہ ہم کلی طور پر تصدیق کرتے ہیں،اور نہ کلی تردید، بلکہ اس کے پیروؤں اور حامیوں سے ہماری گزارش یہ ہے کہ براہ کرم بڑی بڑی شخصیتوں کی عقیدت کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے آپ اس تصوف پر کتاب و سنت کی روشنی میں نگاہ ڈالیں اور اسے درست کرنے کی کوشش کریں۔(۵۵)

سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں نشو و نما پانے والے تصوف کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

> ”پیران طریقت کے ہاتھوں ایک اور بیماری پھیل رہی تھی اشراقیت، رواقیت، مانویت اور ویدانت ازم کی آمیزش سے ایک عجیب قسم کا فلسفیانہ تصوف پیدا ہوگیا تھا جسے اسلام کے نظام اعتقادی و اخلاقی میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ طریقت و حقیقت شرع اسلامی سے الگ اور اس سے بے نیاز قرار دی گئی تھیں، باطن کا کوچہ ظاہر سے جدا بنالیا گیا تھا۔ اسی کوچہ کا قانون یہ تھا کہ حدود حرام و حلال رخصت، احکام دین عملاً منسوخ اور ہوائے نفس کے ہاتھ میں کلی اختیارات جس فرض کو چاہے ساقط کردے اور جس چیز کو چاہے فرض بلکہ

فرض الفرض بنادے۔ جس حلال کو چاہے حرام کردے اور جس حرام کو چاہے حلال کردے۔ ان عام پیروں سے بہتر جن کی حالت تھی ان پر کم و بیش فلسفیانہ تصوف کے اثرات پڑے ہوئے تھے، اور وحدۃ الوجود کے ایک غلط تصور نے خصوصیت کے ساتھ تمام قوائے عمل کو بے کار کردیا تھا۔"(۵۶)

صحبت صوفیاء سے متعلق اپنی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

"صوفیاء کی صحبتوں سے میں نے اکثر استفادہ کیا ہے۔ ایک مدت تک میرا طریقہ یہ رہا ہے کہ جس باخدا بزرگ کا بھی پتہ چلا ان سے ضرور جا کر ملا اور ان کی صحبت میں جا کر بیٹھا۔ میرا اپنا خاندان بھی اہلِ تصوف ہی میں سے ہے اور میرے والد مرحوم تک بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ تصوف کا تھوڑا بہت مطالعہ میں نے بھی کیا ہے اور متعدد صوفی بزرگوں سے توجہ لینے اور اشغال سیکھنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس لیے تصوف اور اہلِ تصوف کے بارے میں اپنے جن خیالات اور آراء کی بناء پر میں بدنام ہوں، انہیں آپ ایک ایسے شخص کے خیالات اور آراء نہ سمجھیں جو اس کوچہ سے بالکل نابلد ہے۔ میں نے تصوف کو بھی دیکھا ہے اور اہلِ تصوف کو بھی۔ اور اس کے اچھے اور برے پہلو دیکھ کر ہی ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ میں نہیں کہتا کہ جس نتیجے پر پہنچا ہوں اسے ہر شخص مان لے۔ البتہ یہ ضرور عرض کرتا ہوں کہ میری رائے کو محض ایک سطحی رائے سمجھنے کی غلطی دوسرے لوگ بھی نہ کریں۔ اب بھی مجھے کسی صاحب کمال سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں ہے اور میری ہر رائے نظر ثانی کے قابل ہے۔"(۵۷)

خاندان کے روحانی پس منظر کے ساتھ ہی سید مودودی کے خون میں ایک ایسی نسل کی آمیزش تھی جو رزم و بزم کا امتزاج تھا۔مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"ننھیال کی طرف سے میں ترکی الاصل ہوں۔میرے نانا قربان علی بیگ اگرچہ صاحب قلم تھے مگر پشت با پشت سے ان کا پیشہ آباء سپہ گری تھا۔ان کے بزرگوں میں مرزا طولک بے عالمگیر کے عہد میں ماوراءالنہر سے ہندوستان آئے اور فوجی مناصب سے سرفراز ہوئے۔ شاہ عالم کے زمانے تک اس خاندان کے لوگ کسی نہ کسی طرح شاہی خدمت بجا لاتے رہے، لیکن جب شیرازۂ سلطنت درہم برہم ہوا تو تو یہ خاندان، نظام حیدر آباد سے منسلک ہوگیا۔"(۵۸)

آبائی پس منظر کے ساتھ قربان علی بیگ، صاحب قلم اور شاعر تھے، سالکؔ تخلص کرتے تھے۔مرزا غالب کے خالص شاگردوں میں سے تھے،دہلی میں ان کا مکان غالب کے مکان سے متصل تھا(۵۶) سالکؔ کا یہ شعر زبان از خلائق ہے:

دستی اگر نہ ہو سالکؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے(۵۹)

سالک صاحب کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔سب سے چھوٹی صاحبزادی سید ابوالاعلی مودودی کی والدہ ماجدہ رقیہ بیگم تھیں۔(۶۰)

شجرۂ نسب

میرا خاندانی شجرۂ نسب درج ذیل ہے:

سید ابوالاعلیٰ مودودی(۱۳۲۱ھ۔۱۳۹۹ھ)ابن مولوی سید احمد حسنؒ (۱۲۲۳ھ۔ ۱۳۳۹ھ) ابن سید وارث علیؒ (۱۱۷۲ھ۔ ۱۲۵۴ھ)ابن سید شاہ عبدالمعزؒ (۱۱۳۲ھ۔۱۱۹۹ھ) ابن حافظ سید شاہ عبدالوالیؒ (۱۰۶۲ھ۱۱۱۵ھ)ابن سید شاہ عبدالباقیؒ (۱۰۲۶ھ۔۱۱۱۰ھ) ابن محدث سید شاہ عبدالہادیؒ (۹۹۲ھ۔۱۰۸۲ھ) ابن سید شاہ عبدالشکورؒ (۹۶۰ھ۔۱۰۴۰ھ)

ابن سید شاہ عبدالغنی (۹۲۹ھ۔۹۸۶ھ) ابن سید شاہ عبدالصمد (۸۹۴ھ۔۹۸۶ھ)

ابن سید شاہ عبدالحیؒ (۸۶۲ھ۔۹۴۷ھ) ابن سید شاہ عبدالعلیؒ (۸۲۶ھ۔۹۴۷ھ)

ابن سید شاہ ابوعلیٰ جعفرؒ (۸۲ھ۔۹۱۶ھ)ابن سید محمد شاہ خواجگیؒ (۷۴۲ھ۔۸۲۴ھ)

ابن سید نظام الدین علیؒ (۷۰۸ھ۔۸۰۸ھ) ابن سید قطب الدین ابواحمدؒ۔۔۔(۶۸۷ھ۔۷۵۴ھ)

ابن سید تقی الدین محمدؒ(۶۶۶ھ۔۷۳۵ھ)ابن سید اوحدالدین احمدؒ(۶۴۵ھ۔۷۱۲ھ)

ابن سید ضیاء الدین محمدؒ(۶۲۷ھ۔۶۹۹ھ)ابن سید قطب الدین محمدؒ(۶۰۲ھ۔۶۸۰ھ)

ابن سید نظام الدین احمد(۵۸۴ھ ۶۲۴ھ)ابن سید رکن الدین محمدؒ(۵۴۴ھ۔۶۳۵ھ)

ابن سید نجم الدین ابواحمدؒ(۴۹۲ھ۔۵۷۷ھ)ابن سید المشائخ قطب الدین مودود چشتیؒ (۴۳۰ھ۔۵۲۷ھ)

ابن سید ابویوسف یعقوب چشتیؒ(۳۷۵ھ۔۴۵۹ھ)ابن سید ابوالحسن محمدؒ(۳۲۱ھ۔۴۰۶ھ)

ابن سید ابوالنصر سمعانؒ(۳۹۸ھ)ابن سید ابوجعفر ابراہیمؒ(۳۷۰ھ)

ابن سید ابوعبداللہ محمدؒ(۲۹۵ھ۔۳۵۲ھ)ابن سید ابومحمد الحسینؒ(۲۷۰ھ۔۳۲۴ھ)

ابن سید ابوابراہیم عبداللہ علی اکبرؒ(۲۳۸ھ ۲۹۲ھ)ابن سید ابوالحسن علی النقیؒ(۲۲۴ھ۔۲۵۴ھ)

ابن سید ابوجعفر محمد التقیؒ(۱۹۵ھ۔۲۲۰ھ)ابن سید ابوالحسن علی رضاؒ(۱۵۳ھ۔۲۰۳ھ)

ابن سید ابوالحسن موسیٰ الکاظمؒ(۱۲۸ھ۔۱۸۳ھ)ابن سیدالامام الزکی ابوعبداللہ جعفر صادقؒ (۸۰ھ۔۱۴۸ھ)

ابن سید سادۃالاعلام ابوجعفر محمد الباقرؒ (۵۷ھ۔۱۱۴ھ) ابن سید الامام الہام علی زین العابدینؒ (۳۸ھ ۔۹۴ھ)

ابن سید الشہداء امام حسینؒ(۴ھ۔۶۱ھ)ابن امام المتقین حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۳ھ۔۴۰ھ)

حواشی وحوالہ جات

۱۔مولانا کا شجرہ (حوالہ جات کے آخر میں منسلک ہے) بحوالہ گیلانی، اسعد، (۱۹۸۶ء)، سیّد مودودی، دعوت و تحریک، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص ۵۵ سے ۵۸

-A1نعمانی، عاصم۔(اکتوبر۱۹۷۲ء) تصوف اور تعمیر سیرت، اشاعت اوّل، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص۳۰۔۳۲

۲۔محمد، یوسف۔نومبر ۱۹۵۵ء، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں۔لاہور: مکتبۂ الحبیب، اچھرہ، ص ۳۱

۳۔نظامی، خلیق احمد۔س ن، تاریخ مشائخ چشت،کراچی، مکتبہ عارفین، ص ۱۳۵ ، ندوۃ المصنفین کی کتاب ،مطبوعہ مئی ۱۹۵۳ سے استفادہ شدہ

۴۔ایضاً

۵۔دارا شکوہ، شہزادہ۔مئی ۱۹۸۶ء، سفینتہ الاولیاء، طبع ہفتم، ترجمہ، محمد علی لطفی، کراچی: نفیس اکیڈمی ص ۱۲۴

۶۔نظامی، خلیق احمد۔تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۳۷

۷۔ایضاً

۸۔مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں۔ص ۳۱

۹۔محمد، زکریا، مولانا۔س ن، تاریخ مشائخ چشت، ترتیب، محمد شاہد سہارنپوری، کراچی: مجلسِ نشریات اسلام، ص ۱۵۳

۱۰۔سفینتہ الاؤلیاء، ص ۱۲۴، محولہ بالا

۱۱۔جامی، نور الدین عبدالرحمن۔س ن، نفحات الانس بار دوم، ترجمہ، حافظ سید احمد علی، لاہور: اللہ والے کی قومی دکان، کتب بازار کشمیری، ص ۳۵۵

۱۲۔مولانا محمد زکریا، تاریخِ مشائخ چشت، ص ۱۵۴

۱۳۔ایضاً

۱۴۔ایضاً

۱۵۔سفینتہ الاولیاء، ص ۱۲۵

۱۶۔ نفحات الانس، ص ۳۵۵

حواشی۔ ابوالحسن ندوی نے "تاریخ دعوت و عزیمت" جلد ۳، ص ۲۳ میں وضاحت کی ہے کہ محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ ۴۱۶ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمد کا سن وفات درست ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ غالباً مولانا جامی کی مراد حملہ ہندوستان سے ہے۔ سومنات سے پہلے ہندوستان پر محمود کے آٹھ حملے ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی حملے میں (غالباً پہلے حملے میں) ابو محمد ساتھ ہوں گے۔

۱۷۔ خالد، سلیم منصور، (س ن) وثائق مودودی، لاہور: ادارہ معارف اسلامی منصورہ۔ ص ۹۷

۱۸۔ مولانا محمد زکریا۔ تاریخِ مشائخ چشت، ص ۱۵۷

۱۹۔ وثائق مودودی، ص ۹۷، محولہ بالا

۲۰۔ سفینتہ الاولیاء، ص ۱۲۵

۲۱۔ نفحات الانس، ص ۳۵۶

۲۲۔ امیر خورد، سیّد مبارک علوی۔ (اپریل ۱۹۸۶ء)، سیر الاولیاء، طبع دوم، ترجمہ، اعجاز الحق قدوسی، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ص ۱۲۰۔۱۲۱

۲۳۔ سفینتہ الاولیاء۔ ص ۱۲۵

۲۴۔ چشتی شیخ عبدالرحمن۔ (۱۹۸۲ء)، مراۃ الاسرار، ترجمہ، کپتان واحد بخش سیال، لاہور: صوفی فائونڈیشن، ص ۴۵۸، جلد اوّل

۲۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ۔ (۱۹۸۸ء)، سلاجقہ، اشاعت سوم، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ص ۳۵

۲۶۔ مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص ۳۲

۲۷۔ مولانا محمد زکریا، "تاریخِ مشائخ چشت" ص ۱۵۹

۲۸۔ مراۃ الاسرار، ص ۴۹۳

۲۹۔ نفحات الانس، ص ۳۵۷۔ سفینتہ الاولیاء، ص ۱۲۵

۳۰۔مولانا محمد زکریا، تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۵۹

۳۱۔وثائق مودودی، ص ۹۷

۳۲۔مراۃ الاسرار ص ۴۹۲

۳۳۔نفحات الانس، ص ۳۵۸۔۳۶۰

۳۴۔مراۃ الاسرار، ص ۳۹۴۔۳۹۵

۳۵۔نفحات الانس، ص ۳۶۰

۳۶۔مولانا محمد زکریا، تاریخِ مشائخ چشت، ص ۱۵۹

۳۷۔سیر الاولیاء، ص ۱۲۳

۳۸۔نفحات الانس، ص ۳۶۰

۳۹۔مراۃ الاسرار، ص ۴۹۹

۴۰۔سیر الاولیاء، ص ۱۲۳

۴۱۔مولانا محمد زکریا، تاریخِ مشائخ چشت، ص ۱۶۰

۴۲۔سفینتہ الاولیاء، ص ۱۲۷

حواشی۔خواجہ کا مزار مکہ معظمہ میں ہے۔خواجہ معین الدین چشتی کا آبائی وطن سیستان ہے، حسینی سادات سے تعلق ہے۔ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے سردار ہیں۔ شیخ عثمان ہارونی فرماتے ہیں کہ ہمارے معین الدین خدا کے محبوب ہیں۔مجھے اپنے ان جیسے مرید پر فخر ہے۔(بحوالہ ایضاً، ص ۱۲۸

۴۳۔مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص ۳۲

۴۴۔عبدالرحمن، صباح الدین۔(۱۹۵۴ء)، تذکرہ اولیائے کرام، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ص ۳۳

۴۵۔کوثر، انعام الحق، (۱۹۸۶ء) ”تذکرہ صوفیائے بلوچستان“ اشاعت دوم، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ص ۲۱

۴۶۔ایضاً، ص ۳۷

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۷

۴۸۔"وثائق مودودی" ص ۹۷

۴۹۔مولانا مودودی اپنی اوردوسروں کی نظر میں، ص۳۴۔۳۵

۵۰۔ آفاقی، ابوالاعلیٰ مودودی، ص۶۱

۵۱۔مولانا مودودی اپنی اوردوسروں کی نظر میں، ص۳۸

۵۲۔مودودی، ابوالاعلیٰ، (فروری ۱۹۹۷ء)، "تجدید احیائے دین" ، اشاعت ۲۹، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص ۱۵۰

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایضاً، ص ۸۵

۵۷۔مودودی، ابوالاعلیٰ۔ (دسمبر ۱۹۹۹ء)، تصوف کیا ہے، اشاعت اوّل، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص ۷

۵۸۔مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص ۳۳

۵۹۔عبد، عبدالرحمن، چوہدری۔ (۱۹۸۸ء) "مفکرِ اسلام سیّد ابوالاعلیٰ مودودی"، اشاعت سوم، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص ۴۷

حواشی۔مولانا مودودی اپنے ننھیال کے بارے میں اپنے ایک خط میں جو انہوں نے ڈاکٹر آفتاب احمد (معتمد مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی) کو تحریر کیالکھتے ہیں۔"میں صرف غالب کے کلام کا ہی مداح نہیں ہوں بلکہ ان سے میرا ایک ذاتی تعلق بھی ہے۔میرے نانا مرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم ان کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔اور ان کا مکان بھی دہلی میں میری ننھیال کے مکان سے متصل تھا۔اس طرح میں نے آنکھیں ہی ایک ایسے خاندان میں کھولی ہیں جو ان کے کلام ہی سے نہیں ان کی ذات سے بھی

قریبی تعلق رکھتا تھا، بحوالہ، مکاتب سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مرتب عاصم نعمانی ۱۹۷۰ئ، طبع اوّل، لاہور: ایوان ادب، جلد اوّل خط نمبر ۱۵۹۔ص ۲۳۱

۶۰۔ سلیم، سیّد محمد، پروفیسر۔ (اکتوبر ۱۹۹۴ء) ''مولانا مودودی کی تحریر کی خصوصیات'' ماہنامہ افکارِ معلم، جلد ۶، شمارہ ۱۰، لاہور: ایبک پارک بہاول شیر روڈ، ص ۱۸